

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

قرب الہی کے دو راستے

اہل ایمان کے لئے تقرب الی اللہ اور دینی و روحانی ترقی کے دو طریقے اور دو راستے ہیں جو ہمیشہ سے کھلے ہوئے ہیں اور بندگانِ خدا ہر زمانہ میں کم و بیش ان ہی پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچتے رہے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنی ہی اصلاح و ترقی اور اپنے ہی نفس کے تزکیہ و تخلیہ میں زیادہ سے زیادہ ساعی رہے جس کی صورت یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور معصیات و مکروہات سے اپنے نفس کی حفاظت کا بیش از بیش اہتمام کرتے ہوئے جس قدر بھی ممکن ہو نفلی عبادات و قربات روزہ و نماز اور ذکر و فکر وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہے۔ بعض ائمہ محققین کی اصطلاح کے مطابق اس طریقہ کو ”قرب بالنوافل“ کہا جاسکتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور معصیات و مکروہات سے پرہیزگاری کا اہتمام کرتے ہوئے اور اوقات میں گنجائش کے مطابق نفلی عبادات و قربات اور ذکر و فکر میں بھی خاص اشغال رکھتے ہوئے اپنا زیادہ وقت اخلاصِ بیست کے ساتھ (یعنی غرضِ رضا الہی اور اجرِ اخروی کو مطمح نظر بنا کر) دوسرے بندگانِ خدا کی اصلاح و ہدایت، تعلیم و تربیت اور تبلیغ و نصیحت جیسے کاموں میں اور اعلا کلمۃ الحق و احیاء شریعت کی کوششوں میں صرف کیا جائے۔

اس طریقہ کو ”قرب بالافرائض“ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور اگرچہ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں سادکین راہِ رضا اور طالبینِ قربِ مولیٰ کے لئے یہی عام شاہراہ تھی۔ لیکن بعد کے زمانوں میں پھر خاص اسباب کی وجہ سے اس راہ پر چلنے والوں کی کثرت نہیں رہی بلکہ معاملہ معاکوس ہو گیا۔ یعنی اہلِ سلوک کے مختلف حلقوں میں میں زیادہ تر پہلے ہی طریقہ کو اختیار کیا گیا۔ اور اس سے بھی بڑا اور افسوسناک ذہنی تغیر یہ ہوا کہ بہت سے خانقاہی دائروں میں سلوک الی اللہ اور تقربِ خداوندی کو صرف اسی پہلے طریقہ (قرب بالنوافل) ہی میں منحصر بھی سمجھا جانے لگا۔ اور ان لوگوں کے خیال میں روحانی و دینی کمال صرف قرب بالنوافل ہی کا نام رہ گیا۔ مختلف زمانوں میں مصححین و مجددین نے اس غلط خیالی کو محسوس کر کے اس کی اصلاح کی کوششیں

بھی کہیں لیکن پھر بھی بہت سے خاص و عام حلقوں میں یہ غلط فہمی اب تک چلی آرہی ہے جس کا افسوسناک اور نہایت مضر نتائج یہ ہے کہ امت کی عمومی تعلیم و تربیت، اصلاح و دعوت اور اقامت دین و احیاء شریعت کا وہ اہم بنیادی کام جو دینی نظام کے لئے گویا ریڑھ کی ہڈی ہے اور دین کی سرسبز و شادابی جس پر موقوف ہے اور بلاشبہ جس کا اجر اور درجہ بھی اللہ کے نزدیک صرف نفعی عبادات و قربات اور ذکر و فکر میں مشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے۔ آج ان عام و خاص حلقوں میں وہ ایک عمومی قسم کا اور معمولی درجہ کا کام سمجھا جاتا ہے اور دینی و روحانی ترقی کے طالب اور قرب خداوندی کے جو یا اپنے اس سفر میں اور اس مقصد کے لئے اس راہ سے چلنے اور اپنے اوقات اور اپنی ہمتوں کو اس رخ پر لگانے کا ارادہ بھی نہیں کرتے جس کی وجہ سے یہ میدان اصحاب ہمت و عزیمت سے خالی اور یہ بازار سرد پڑا ہوا ہے حالانکہ ”شہسواروں“ کی ہنگ و تاز کے لئے اصل جولا نگاہ اور ”شاہ بازوں“ کی پرواز کے لئے اہل فضا ہی تھی۔

یہ کیوں ہے؟ اور یہ عام و خاص حلقے اس غلط فہمی اور غلط عملی میں کیوں مبتلا ہوئے اور کیوں اب تک مبتلا ہیں؟ اگرچہ یہ سوال اور اس کا جواب آج کے ہمارے موضوع سے خارج ہے تاہم اصل مدعا ہی کو سمجھانے کی خاطر اس بارہ میں اتنا عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک عوام الناس کی غلط فہمی کا تعلق ہے سو اس کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ پہلے طریقہ (قرب بالنوافل) میں چونکہ سالک عوام کی دنیا سے الگ تھلک رہ کر ہمہ تن عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے ہیں اور مشاغل و نیوی میں پھنسے ہوئے عوام اس طرز زندگی کو بے حد مشکل اور انتہائی درجہ کا غیر معمولی کام سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح کی مشکل اور غیر معمولی باتوں ہی سے متاثر ہونا اور ان کی خاص اہمیت و وقعت سمجھنا چونکہ عام انسانوں کا مزاج ہے اس لئے یہ بے چارے اسی طریق کو قرب الہی اور خدا رسی کا خاص انخاص راستہ سمجھتے ہیں۔ علاوہ انہیں اس طریق پر چلنے والوں سے خوارق و کشف وغیرہ کا ظہور بھی نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے بھی خیال عام اسی طریق کو خدا رسی کا خاص راستہ اور اسی طرز زندگی کو سب سے بڑا دینی و روحانی کمال سمجھتا ہے۔

رہے اس خیال کے خواص، یعنی خود اہل سلوک کے وہ حلقے جو اس غلطی میں مبتلا ہیں اور سلوک الی اللہ کو اسی طریق میں منحصب سمجھتے ہیں۔ سو اس کی بہت سی وجوہ ہیں جن میں سے ایک عمومی اور اس جگہ قابل ذکر وجہ

۱۔ گذشتہ صدیوں میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اور ان کے بعد ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امیر المومنین سید احمد شہیدؒ اور ان کے خاص رفقاء نے اس غلطی کی اصلاح کی طرف خاص اور مستقل توجہ فرمائی جیسا کہ مکتوبات امام ربانیؒ اور صراطِ مستقیم کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔

یہ بھی ہے کہ اس طریق (قرب بالنوافل) میں یکسوئی کے ساتھ کثرت ذکر و فکر سے سالک کے باطن میں ایک گونہ لطافت و نورانیت اور ملازمت اعلیٰ سے ایک طرح کی خاص مناسبت و موانست پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنے اندر کچھ آثار و انوار محسوس کرنے لگتا ہے اور بسا اوقات خاص "احوال و کیفیات"، اور "مشاہدات و تجلیات" کا دروازہ اس پر کھل جاتا ہے۔ اور دوسرے طریقہ (قرب بالفرائض) میں چونکہ عوام کے ساتھ بھی اختلاف رہتا ہے اور احوال و کیفیات کا ورود اس میں اس طرح سے معمولاً نہیں ہوتا۔ یا بہت کم ہوتا ہے بہر حال پہلے ہی طریقہ کے ساتھ بہت سے اہل سلوک کی خصوصی دلچسپی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے۔

حالانکہ یہ "احوال و کیفیات" اور "مشاہدات و تجلیات" اس فن کے اکابر و ائمہ کے نزدیک کوئی خاص مقصدی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ ان کا درجہ صرف یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مبتدیان راہ سلوک کی ہمت افزائی کی جاتی ہے تاکہ شوق و طلب برابر ترقی پذیر رہے اور سعی و جہد کا قدم آگے بڑھتا رہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مشہور خلیفہ علیار محمد بدخشی کو ایک مکتوب میں انہی "مشاہدات و تجلیات" کے متعلق لکھتے ہیں۔

شیخ اہل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف بہدانی
بہدانی فرمودہ اند۔ ثلاث خیالات توحی
بہا اطفال الطریقۃ
(مکتوب ۱۲ ج ۱)
شیخ اہل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف بہدانی
نے فرمایا ہے کہ یہ خیالی چیزیں ہوتی ہیں جن
کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کی تربیت
کی جاتی ہے۔

اور ایک دوسرے مکتوب میں جو ملا حاجی محمد لاہوری کے نام ہے ارقام فرماتے ہیں:-

احوال و مواجید و علوم و معارف کہ صوفیہ
راہ و اشئلے راہ دست میدہند نہ اند
مقاصد اندل او صام و خیالات توحی
بہا اطفال الطریقۃ
(مکتوب ۳۶)
جو احوال و مواجید اور علوم و معارف
صوفیہ پر اثناء سلوک میں وارد ہوتے ہیں
وہ مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ ادہام و
خیالات کے قبیل کی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ
مکتب طریقت کے بچوں کو تربیت دی جاتی ہے

لے حضرت مجددؒ کی ان عبارات کا مطلب یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ "احوال و کیفیات" اور "مشاہدات و تجلیات" شیطانی قسم کے رس و ادہام ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے (جیسا کہ خود حضرت مجددؒ نے اسی مکتوب میں آگے چل کر وضاحت فرمائی ہے) کہ یہ ہیں ایک درجہ میں انعامات الہیہ ہیں اور سالک کو ان سے بہت کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے بشرطیکہ ان سے بہت افزائی ہی کا کام لیا جائے۔ اور سالک اپنی کو مقصود و منتہا سمجھ کر ان میں پھنس کر نہ رہ جائے۔

بہر حال یہ انوار و تجلیات اور یہ احوال و کیفیات جن کا ورود "قرب بالنوافل" کے راستے سے چلنے والے بہت سے سالکوں پہ ہوتا ہے۔ اگرچہ وسیلہ تربیت اور ذریعہ ترقی ہونے کی حیثیت سے قابلِ شکر انعامات الہیہ ہیں، تاہم نہ یہ خود مقصود و مطلوب ہیں اور نہ ایسی دولت ہیں جس کے لئے "قرب بالفرائض" کا راستہ چھوڑ کر "قرب بالنوافل" ہی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

حضرت امام ربانیؒ ایک مکتوب میں خاص اپنے متعلق الزام فرماتے ہیں۔

ایں فقیر از نقد وقت خودی نویسد کہ مدتہا
یہ فقیر خود اپنی حالت لکھتا ہے کہ مدتوں علوم
از علوم و معارف و از احوال و مقامات
و معارف اور احوال و مقامات ابرنیساں
در رنگ ابرنیساں ریختند و کارے کہ باید
کی طرح برسے اور اُن کا جو نتیجہ نکلنا چاہئے
کرد و بنایت اللہ سبحانہ کردند۔ و الحال
نقا اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ پورا ہوا
آرزوئے نہ ماندہ است الا اُن کہ حیائے
اور اب اس کے سوا کوئی ارمان اور آرزو
سنت از سنن مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ
نہیں رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی سنتوں میں سے کسی سنت کا احیاء کیا جائے
والتسلیمات نمودہ آید و احوال و مواجیر
اور اس کو رواج دیا جائے اور احوال و مواجیر
ارباب ذوقِ اسلام باشد۔

مکتوب جلد ۳
ارباب ذوق کو مبارک ہوں۔

قرب بالفرائض کی ترجیح | قرب بالفرائض کے طریقہ اور اس سلسلہ کے مشاغل مثلاً خدا فراموش انسانوں
و فضیلت کے وجوہ | میں تبلیغ و دعوت، جاہلوں ناواقفوں کی تعلیم و تہذیب اور اقامتِ دین و احیاء
شرعیات کے لئے جدوجہد وغیرہ) کو "قرب بالنوافل" کے طریقہ کے مقابلہ میں ترجیح و فضیلت کی یہ وجہ تو بالکل ظاہر ہے کہ
یہ انبیاء علیہم السلام کے خاص مشاغل و وظائف ہیں۔ اور وہ حضراتِ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) خاص انہی کاموں
کے لئے مبعوث ہوتے ہیں۔ پس اپنی قوتوں اور اپنی ہمتوں کو انہی کے طریقہ پر اخلاص و اقتساب کے ساتھ ان کاموں
میں لگانا، اور اسی جدوجہد کو اپنا خاص وظیفہ حیات بنالینا ان مقدس و برگزیدہ ہستیوں کی خاص نیابت بلکہ ایک
طرح سے ان کی رفاقت اور ان کے مقصد، اُن کی فکر اور ان کے درد میں شرکت ہے اور ایک غیر نبی کے لئے
اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔

علاوہ انہی اس طریقہ کا فیض متعین ہے کہ اس راہ کا چلنے والا اپنی اصلاح و تکمیل کے ساتھ ساتھ اور سینکڑوں
ہزاروں بندگانِ خدا کی اصلاح و ہدایت کا بھی ذریعہ بنتا ہے اور اس واسطے صحیح حدیث
میں دل علی خیر قلبہ مثل اجر
جو شخص کسی آدمی کو کسی نیکی کی طرف راہ نہائی

فاعلة . (مسلم)

کرے تو اس شخص کو اس نیکی کے کرنے والے
 ہی کی برابر الگ ثواب ملے گا۔

کے مطابق سینکڑوں ہزاروں انسانوں کے بے حساب و بے شمار اعمال خیر کے بھی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔
 نیز یہاں یہ بھی نکتہ خاص طور سے ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ "قرب بالنوافل" کے طریق میں زیادہ سے زیادہ
 محنت و مجاہدہ کرنے والے اپنے گئے چنے فرائض کے علاوہ صرف اپنی نفلی عبادات و قربات ہی کا سرمایہ جمع کر سکتے
 ہیں۔ لیکن "قرب بالفرائض" کی راہ پر چلنے والے چونکہ سینکڑوں انسانوں کو ان کے بنیادی فرائض کی تبلیغ و تلقین
 کرتے اور تسلیم دیتے ہیں اس لئے ان کے حساب میں اپنے ذاتی فرائض و نوافل کے علاوہ ان سینکڑوں آدمیوں کے
 فرائض (اور نوافل) کا بھی اجر لکھا جاتا ہے۔ اور یہ معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ فرائض کا اجر نوافل سے بدرجہا زیادہ
 ہے اور نفس ایمان و اسلام کا درجہ تو یقیناً فرائض و نوافل سب سے زیادہ ہے۔ پس اللہ کا جو بندہ "قرب بالفرائض"
 کی راہ اختیار کر کے خدا اور رسول سے بیگانہ اور حقیقت ایمان و اسلام سے نا آشنا قسم کے جاہلوں اور غافلوں میں
 تبلیغ کر کے اور ان کو تعلیم و تربیت دے کے دین سے آشنا کرتا ہے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ اس کے نامہ اعمال
 میں ان لوگوں کے نفس ایمان و اسلام کا اجر بھی لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس اجر بے حساب
 کا حساب بھی لگا سکے۔

نیز "قرب بالنوافل" کے طریق میں صرف اپنی زندگی تک ترقی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جہاں موت نے
 روح کو جسم سے الگ کیا اور سلسلہ عمل ختم ہوا۔ ترقی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر "قرب بالفرائض" کی راہ میں جب
 تک اس کے دینی و علمی فیض کا سلسلہ جاری رہے خواہ وہ واسطہ در واسطہ کی شکل میں قیامت تک ہی جاری رہے
 برابر اعمال نامہ میں اندراج ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے درجات میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے جیسا کہ حادثہ
 صحیحہ میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

اور قطع نظر ان تفصیلات سے، سب سے اہم بات وہی ہے جو پہلے عرض کی گئی ہے۔ کہ "قرب بالفرائض"
 کا یہ راستہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے خواص اصحاب و حواریین کا راستہ ہے۔ اور اس کے مشاغل و تعلیم و تعلم
 دعوت و تبلیغ، اصلاح و ارشاد، اور اقامت دین و احیاء شریعت کی کوشش وغیرہ ان حضرات کے خاص مشاغل
 ہیں۔ پس اس طریق کو اختیار کرنے والے اور ان کاموں کو نبھانے والے بلاشبہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام
 کے اور خصوصاً حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی خلفاء ہیں۔ اگرچہ سیاسی نظام اور سیاسی طاقت
 والی خلافت ظاہرہ ان کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اصل امانت نبوی کی حفاظت اور تبلیغ و دعوت اور ماننے والوں
 کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کا کام بھی بلاشبہ ایک طرح کی خلافت نبوت ہی ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو

بے جانہ ہو گا کہ مقصدی اہمیت اس کو زیادہ حاصل ہے۔ اور بروجہ آسن اور وسیع پیمانہ پر انہی مقاصد کی تکمیل کے لئے "خلافت ظاہرہ" مقصود ہوتی ہے۔

نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی غیر سیاسی خلافت (حضرت شاہ ولی اللہ کی اصطلاح کے مطابق خلافت باطنہ) اگر ایک مرکز اور نظام کے ساتھ ہو تو "خلافت ظاہرہ" تک بھی پہنچا دیتی ہے۔ "استخلاف فی الارض" اور "تکلیف دینی" کا انعام انہی فرائض اور انہی خدمات کی انجام دہی پر مرتب ہوتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور یہی اس کی سنت ازلیہ ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے کہ "خلافت نبوت" کے قیام کا صحیح راستہ صرف یہی ہے۔ اور اس طریقہ اور اس ترتیب کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں پر جدوجہد کرنے سے اگرچہ "اپنی حکومت قائم کی جاسکتی ہے لیکن خلافت نبوت قائم نہیں ہو سکتی۔" والتفصیل لایسعه المقام

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ورنہ عرض کرنا یہی تھا کہ "قرب بالقرائن" کی شان بہت اعلیٰ وارفع ہے اور اس کے مشاغل، تبلیغ و دعوت، تعلیم و تربیت، اصلاح و ارشاد اور اقامت دین و اجبار شریعت کے لئے جدوجہد وغیرہ کا درجہ اور اجر نفی عبادات و قربات اور ذکر و فکر ہی میں مشغول و منہمک رہنے سے یقیناً بہت زیادہ ہے خصوصاً اس دور میں تو اس طریقہ اور ان مشاغل کی اہمیت اس لئے اور بھی زیادہ ہو گئی ہے کہ یہ زمانہ ہی عوامی تحریکات اور عمومی و جمہوری دعوتوں کا ہے۔ اور مختلف مادی اور لادینی تحریکیں بے حد تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی عوام کو اپنی طرف جذب کرتی جا رہی ہیں۔ ایسے وقت میں بھی اگر دین کی دعوت، دینی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کی جدوجہد وسیع پیمانے پر اور عوامی تحریک کے رنگ میں نہیں کی گئی اور اللہ کے وفادار اور اس کی رضا کے طلب گار بندے خدمت دین کے اس عمومی میدان میں نہ اترے تو دین کی امانت کا بس اللہ ہی حافظ ہے۔

امام ابو اسحق اسفرائینی کا پر جوش اور دلورہ انگیز پیغام رہ رہ کر یاد آتا ہے۔ ان کے زمانے میں جب عام مسلمانوں کا دین و ایمان بعض خاص گمراہ فتنوں کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گیا تو آپ اپنے عہد کے بعض ان اکابر و مشائخ کے پاس پہنچے جو دنیا و مافیہا سے یکسو ہو کر پہاڑوں کے غاروں میں عبادت و مجاہدہ میں معروف تھے اور کہا (اللہ اکبر کیسے درد سے کہا۔)

اکلة الحشیش انتم ههنا و
امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
فی الفتن۔
جنگل کی سوکھی گھاس پر گزارہ کرنے والو
تم یہاں ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی امت مگر اہیوں میں مبتلا ہو رہی ہے

الغرض یہ کام یعنی مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت اور جاہلوں ناواقفوں کی دینی تعلیم و تربیت اور غافلوں، نا آشناؤں کو تبلیغ و دعوت کا کام اگرچہ ہر وقت اور ہر حال میں بہت بڑا اور بہت اہم کام ہے اور جیسا کہ تفصیل سے اوپر عرض کیا گیا۔ عند اللہ اس کا درجہ بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور امتیہوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی کمال اور ترقی کا کوئی مقام نہیں ہے۔ بقول حضرت مجددؑ

بیچ کمالے برتبہ دعوت و تبلیغ نہ رسد کوئی کمال دعوت و تبلیغ کے مرتبہ کو نہیں
فان احب عباد اللہ الی اللہ من پہنچتا۔ کیونکہ اللہ کو اپنے بندوں میں سب
حبیب اللہ الی عبادہ و حبیب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کو اس
عباد اللہ الی اللہ و هو کے بندوں کا محبوب بنادے اور بندوں
الداغی و المبلغ کو اللہ کا محبوب بنادے۔ اور وہ داعی اور مبلغ
(مکتوبات امام ربانی مکتوب ۷۵ ج ۲) مبلغ ہوتا ہے۔

لیکن بالخصوص ایسے زمانے میں کہ چاروں طرف سے مادیت اور لادینیت کے بادل امنڈ رہے ہوں اور دین سے غفلت و جہالت اور خدا فراموشی کی گھٹائیں نہایت تیزی سے دنیا پر چھانے چلی جا رہی ہیں۔ سو ایسے وقت میں تو ان کاموں کی قدر و قیمت اللہ کے یہاں بے حساب بڑھ جاتی ہے۔ حضرت مجددؑ ہی نے کیسی اچھی تمثیل میں فرمایا ہے :-

مثلاً سپاہیان و در وقت غلبہ دشمنان و مثلاً جو سپاہی دشمن کے غلبہ اور مخالفین کے
استیلاء مخالفان اگر اندک تردد می کنند چڑھ آنے کے نازک وقت میں تھوڑی سی بھی
اک قدر نمایاں میشود و اعتبار سے گد و دگر وفادارانہ جدوجہد کرتے ہیں وہ ایسا اعتماد
در وقت امن اضعاف آں در خیرت اور امتیہا ز حاصل کر لیتے ہیں کہ بام امن و سکون
اعتبار نمی آید۔ کے وقت کسی گنا جانفشانی بھی کریں تو وہ اعتماد

(مکتوب ۷۴)

واعتبار پیدا نہیں ہوتا۔

الحاصل ہر زمانہ میں خاص کر ہمارے اس دور میں دینی و روحانی ترقی اور قرب الہی و رضا خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ اور شاہراہ "قرب بالفرائض" ہی کا طریقہ ہے اور اس کے مشاغل مثلاً دعوت و تبلیغ، اصلاح و تعلیم اور اقامت دین و احیاء شریعت کے لئے جدوجہد کا درجہ اور اجر یک سوئی کے ساتھ نفلی عبادات اور ذکر و مراقبہ ہی میں منہمک و مشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن "قرب بالفرائض" کی ان مشاغل کی یہ امتیازی حیثیت اور "قرب بالنوافل" کے مقابلہ میں ان کی یہ عظمت اور فوقیت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے

کہ ن کاموں میں اشتغال اخلاص و احتساب اور خشیت و انابت کی صفت کے ساتھ ہو اگر یہ نہیں ہے تو پھر ساری دوڑ و مصیبت اور جدوجہد ایک بے روح عامیہ تہ تحریک یا ایک پیشہ اور حرفہ کے سوا کچھ نہیں ہے دعاؤنا اللہ من ذالک اور ان اوصاف (اخلاص و احتساب) کے حاصل ہونے کا عام آزمودہ اور عادی ذریعہ ان اوصاف والوں کی صحبت و رفاقت اور تنہائیوں کے اوقات میں ذکر و فکر کی کثرت ہے۔ ان دونوں چیزوں کے اہتمام کے بغیر اخلاص و احسان جیسی کیفیات کا پیدا ہونا اگرچہ عقلاً ناممکن نہیں لیکن عادتاً دشوار اور اہل تجربہ کی شہادت کے مطابق شاذ ضرور ہے۔

ضروری استدراک | اوپر کی سطروں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ رہے کہ "قرب بالنوافل" کے طریقہ کو ہم غلط یا غیر شرعی یا غیر فرضی سمجھتے ہیں، ہرگز نہیں! حاشا، ہزار بار حاشا۔ ہماری گزارش کا مدعا تو صرف یہ ہے کہ "قرب بالفرائض" کا راستہ قابل ترجیح اور افضل ہے اور خصوصاً ہمارے اس زمانہ کے حالات اور دینی ضرورت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے بندے اس طریق کو اختیار کریں اور اپنی ہمتوں کو اسی رخ پر لگائیں۔ نیز ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ فی زمانہ ماحول کے عمومی فساد کی وجہ سے اکثر طبیعتوں کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ کچھ مدت تک سوئی کے ساتھ ذکر و فکر کے بغیر ان پر اخلاص و احسان کا رنگ بھی نہیں چڑھتا سوائے حضرات کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ تیاری کے طور پر کچھ دنوں اسی طریق پر چلیں لیکن مطلق نظر دین کی خدمت و نصرت ہی کے مشاغل کو بنائیں۔ اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کا اس سے بہتر مصرف اور کوئی نہیں۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عمومی دعوت و تبلیغ اور عوامی تعلیم و تربیت کا یہ کام بس کی طرف اس مضمون میں نے خصوصیت کے ساتھ دعوت دی ہے۔ اس سے ہماری مراد خاص متعارف و غلط کوئی نہیں ہے جس کے لئے علم دین کی ایک خاصی مقدار ضروری ہے بلکہ حقیقت دین سے نا آشنا طبقوں میں دین کا صحیح شعور پیدا کرنا اور کم از کم دین کی بنیادی باتوں کی ان کو تعلیم و تلقین کرنا اور اس درجہ کی عملی اصلاح کی کوشش کرنا اس سلسلہ کا ابتدائی کام ہے جس میں ہر مسلمان اپنی صلاحیت کے مطابق کچھ نہ کچھ حصہ لے سکتا ہے اور اسی کے ساتھ خود بھی تعلیم و تربیت حاصل کر سکتا ہے۔

اب ہم اس مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں۔

عن الحسن مرسلاً۔ سئل رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجلین

کانا فی بنی اسرائیل احدهما

حضرت حسن بصریؒ سے مرسل مروی ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے

بنی اسرائیل کے دو شخصوں کی بابت سوال

(باقی صفحہ ۳۹)